

## مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت مفسر قرآن

Maulānā Abū al-Kalām Āzād as a Commentator of the Holy Qur'ān

\*ڈاکٹر حسین محمد

\*\*ڈاکٹر محمد سعید شجاع

### Abstract

The Holy Qur'ān has been translated and interpreted by various Muslim scholars. Each interpretation has its own uniqueness. In the Sub-continent, many Muslim 'Ulamās translated the Holy Qur'ān into Urdu language. Every translation and interpretation deflect predisposition of the translator. Maulānā Abū al-Kalām Āzād is one of the most prominent and outstanding mufassir among them. He wrote "Tarjamān-ul-Qur'ān". He is considered to be the most notable personalities of Muslim India. He has rendered valuable services to the Sub-Continent, Islām and Ummah in different fields and branches of learning. He created a revolution in the thinking of Muslim Ummah and changed their visions. He awakened the Muslims and created a spirit of actions and stimulated their hearts with real feelings of sacrifices as well as made them active in their practical life. Maulānā Āzād had a very comprehensive and broad conception before him. His translation and interpretation and supplementary notes which laid emphasis on the improvement and training of the individual, establishment of the proper family norms and just society and supplementing Islāmic values for the collective life of Muslim nation and also covered important questions in their minute details such as international message of brotherhood, establishment of universal human society and re-construction and development of humanity as a whole. Maulānā Āzād interpreted the Holy Qur'ān in its true spirit, the style and beauty of "Tarjamān-ul-Qur'ān" is a world of its own. It is a successful and unique feature of Urdu literature. He strictly avoided words to words meaning and used the simplest language to make understand the teachings of Qur'ān in a natural tone. He created the love of Qur'ānic education and depicted the Holy Qur'ān in such a fine way that he opened the new gates of the faith for the people.

**Keywords:** Maulānā Abū al-Kalām Āzād, Tarjamān-ul-Qur'ān, Interpretations of Qur'ān in sub-continent.

\* چیرین شعبہ علوم اسلامیہ و تحقیق، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، بنوں۔

\*\* اسٹنٹ پروفیسر ماڈرن سٹریٹ آف ایکسی پینس ان اسلامک لرنگ، اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور۔

مولانا ابوالکلام آزاد غیر معمولی ذہن و دماغ کے انسان تھے۔ وہ اپنے علم و فضل اور اخلاق و سیرت، وضع و تہذیب کی بنابر مسلم ہندوستان کی ایک ممتاز شخصیت تھے۔ انھوں نے اپنے ذوق اور فکر و نظر کے مطابق علم و عمل کے مختلف میداں میں متعدد علوم و فنون اور ملک و ملت کی گونا گو خدمات انجام دیں۔ اُن کے علم و نظر کے کمالات، اخلاق و سیرت کے خصائص اور خدمات کی جلالت قدر نے انھیں دنیا کے عظیم انسانوں کی صفت میں لاکھڑا کر دیا تھا۔<sup>1</sup> وہ ایک عالم دین تھے، ادیب و شاعر تھے، صحافی تھے، مدرس تھے، ماہر تعلیم تھے، اُن کی ذات میں فکر و عمل کی مطابقت پائی جاتی تھی، وہ سیاہ کوسفید کہنے والے نہ تھے، انھوں نے زندگی بھروسہ کی سب سے بڑی استعمالی طاقت کا مقابلہ کیا اور متحده قومیت کو اپنا مشن بنایا، وہ فرقہ پرستی اور جاہ طلبی کو ناپسند فرماتے تھے، وہ حریت پسند تھے، خود دار تھے اور خوشامد کونہ صرف یہ کہ ناپسند فرماتے تھے، بلکہ اپنی جائز تعریف و توصیف سے بھی اپنے عقیدت مندوں کو باز رکھتے تھے۔<sup>2</sup> فلسفہ اور فنونِ لطیفہ کا غاصب ذوق رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ صاحب طرز مفسر قرآن بھی تھے۔

## پیدائش

مولانا ابوالکلام آزاد کا اصل نام احمد، مجی الدین لقب، ابوالکلام کنیت اور آزاد تخلص تھا۔ اپنی پیدائش کے بارے میں وہ صند کرہ، میں لکھتے ہیں:

یہ غریب الدیار عبد دنا آشانے عصر و بے گانہ خویش و نمک پروردہ ریش، معمورہ تمنا، و خرابہ حسرت کہ موسوم بہ احمد و مدعو باپی الكلام ہے، ۱۸۸۸ء مطابق ذوالحجہ ۱۳۰۵ھ میں ہستی عدم سے اس عدم ہستی نامیں وارد ہوا اور تہمتِ حیات سے مستم۔<sup>3</sup>

وطن کے بارے میں لکھتے ہیں:

آبائی وطن دہلی مر حوم ہے:

سلام علی نجد ، ومن حل بالنجد

گروطن مادری سرز میں مطہرہ طیبہ، ودار الحجرت سید الکوئین و شہرستان نبوت و وحی ہے۔ قبلہ عبادت گزار ان

<sup>1</sup> اکبر آبادی، مولانا سعید احمد، مولانا ابوالکلام آزاد مر حوم، مرتبہ: ڈاکٹر ابوالسلام شاہجہان پوری، (کراچی: ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان، ۱۹۸۶ء)، ص ۷۱۔

<sup>2</sup> شیر وانی، ڈاکٹر ریاض الرحمن خان، میر کاروائی مولانا ابوالکلام آزاد، (کراچی: ادارہ تحقیقات افکار و تحریکات ملی، ۱۹۸۸ء)، ص ۳۔

<sup>3</sup> ابوالکلام آزاد: صند کرہ، مرتبہ: مالک رام، (دنی دہلی: سماحتیہ اکادمی، ۱۹۶۸ء)، ص ۳۱۰۔

عشق، و کعبہ نیاز مندان شوق۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحمیہ:

دارم دے گرداں ، کہ من قبلہ نما می خوانمش  
زو سوئے ابر ویش کند، ہر چند می گردانمش<sup>4</sup>

اور وطن حقیقی کی نسبت کیا کہیے کہ بحکمِ کنْ فی الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ<sup>5</sup> ہم سب غربت سرانے ارضی کے آوارہ  
و مسافر۔ تمام مسافر ان ہستی ایک ہی قافلہ غربت کے رہ سپار، سب کو ایک ہی مستقر و موطن در پیش، البتہ کسی کے  
لیے ساءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمَقَاماً<sup>6</sup> میں داخل اور کسی خوش نصیب کے لیے حسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمَقَاماً<sup>7</sup> محلہ  
قدوہ متعلقہ باب السلام<sup>8</sup>

## ہندوستان آمد اور تعلیم

مولانا آزاد نے بچپن کے پانچ سال حرم شریف میں گزارے اور پھر حرم شریف میں ان کی رسم بسم اللہ ہو گئی۔ اس کے بعد  
اُن کے والد صاحب کسی حادثے کا شکار ہو گئے اور انھیں علاج کی غرض سے ملکتہ آنحضرت<sup>9</sup> اس لیے پورا خاندان ہندوستان منتقل  
ہو گیا اور ابوالکلام آزاد کی تعلیم کا سلسلہ گھر پر ہی جاری رہا، لیکن قدرت کو گل لالہ کی حنا بندی مقصود ہو تو تحریمی سے گلنار ہونے  
تک تمام مراحل کی بالترتیب تکمیل معمول بن جاتی ہے۔ انسانی کردار کی تعمیر و تکمیل میں بھی قدرت کا یہی قانون کار فرمان نظر آتا  
ہے کہ جس شخص سے جو کام لینا مقدر ہو، حالات و قرائیں کی ترتیب اُسی سانچے میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ تاریخ کے صفحات دنیا کے  
عظمیں لوگوں کے سوانح سے معمور ہیں کہ ادائی عمری میں اُن کو اپنے انجام کار کے بارے میں نہ صرف یہ کہ کوئی علم نہ تھا، بلکہ  
بظاہر ایسے حالات بھی موجود نہ تھے کہ وہ کوئی ایسا گمان کر سکتے۔ ابوالکلام کے بارے میں بھی قدرت کا یہی اصول کار فرمان نظر آتا  
ہے کہ نامساعد حالات کے باوجود وہ بر صیر پاک و ہند کے ایک معروف مذہبی اور سیاسی شخصیت بن گئے۔ اُن کے والد مولانا خیر  
الدین خود ایک عالم دین اور پیر طریقت تھے، وہ اُن کو پڑھایا کرتے تھے۔ اُن کی والدہ مدینہ منورہ کے مفتی محمد ظاہر و تری کی بھائی

<sup>4</sup> ملک محمود یادہ گجراتی کا شعر ہے، البتہ صحیح مصرع ثانی میں کند، کی جگہ حشد، ہے۔ دیکھئے: طبقات اکبری ۳۹۳:۲، نیز، بفت اقیم: ۸۸۔

<sup>5</sup> بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسما علیل، الصحیح، کتاب الرقاق، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کن فی الدنیا کأنک غریب او عابر سبیل)، حمیث رقم ۲۳۵۸۔

<sup>6</sup> الفرقان ۲۵:۲۲

<sup>7</sup> الفرقان ۲۵:۲۴

<sup>8</sup> آزاد، تذکرہ، ص ۳۱۲-۳۱۱۔

<sup>9</sup> ابوسلمان شاہجهان پوری، امام ہند، کراچی، طباعت ۱۹۶۲، ص ۳۵۔

تحیں<sup>10</sup>، وہ بڑی فصیح البيان تھیں، رمضان شریف میں تراویح کے بعد مکہ معظمه کے تمام اچھے خاندانوں کی عورتیں آکر ان کا بیان سنتی تھیں<sup>11</sup>، لیکن آزاد کی طبیعت نے ایک لمحے کے لیے بھی گوارانہ کیا کہ نسب فروشی کی دکان آرستہ کر کے نقد عزت و شرف کی جتجو کی جائے، کیوں کہ انسان کے لیے معیار شرف جو پر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم و عمل ہے، نہ کہ اسلاف کی روایات پارینہ اور نسب فروشی کا غرور باطل۔<sup>12</sup> اس لیے انہوں نے اپنا راستہ خود نکالا اور اپنے حسب و نسب کو ذریعہ شہرت نہیں بنایا۔

### اساتذہ کرام

مولانا آزاد نے قرآن کریم گھر پر خالہ سے پڑھا، قراءت حرم شریف میں شیخ حسن سے پڑھی، بعد میں مولانا محمد یعقوب دہلوی، محمد ابراہیم، شمس العلماء مولانا سعادت حسین، مولانا محمد شاہ محدث رام پوری سے مختلف علوم کی کتابیں پڑھیں<sup>13</sup>۔ وہ اپنے والد کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور پندرہ سال کی عمر میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔

### شوقي مطالعہ

مولانا آزاد بڑی خداداد ذہانت اور صلاحیتوں کے مالک تھے، بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق تھا۔ اسی ذہانت اور شوقي مطالعہ کی بدولت انہوں نے بہت کم وقت میں زیادہ کتابیں پڑھ لیں۔ اسی انہا کا علمی کی وجہ سے وہ کم عمری میں ہی سنجیدگی سے بہرہ مند ہو چکے تھے۔ کتابیں ہی ان کا کھلونا تھیں، مطالعے کا ذوق کھیل کوڈ کے شوق پر غالب آگیا، دس برس کی عمر میں ہی مولانا آزاد کو مطالعے کا اتنا شوق تھا کہ گھر سے جو پیسے ملتے تھے، ان کو بچا کر کتابیں خریدتے تھے اور موم تی جلا کر رات دو دو بجے تک مطالعہ کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کی صحت پر بھی براثر پڑا<sup>14</sup>۔ ان کا یہ شوقي مطالعہ زندگی کے ہر دور میں قائم رہا۔ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کی کوئی قابل ذکر کتاب ایسی نہ ہو گی جو ان کی نظر سے نہ گزری ہو، چنانچہ ”غبار خاطر“ میں لکھتے ہیں:

تعلیم کی جور فتار عام طور پر رہا کرتی ہے، میر امعالمہ اُس سے مختلف رہا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۰۰ء میں جب میری عمر بارہ تیرہ برس سے زیادہ نہ تھی، میں فارسی کی تعلیم سے فارغ اور عربی کے مبادیات سے گزر چکا تھا، شرح ملا اور قطبی کے دور میں تھا۔ میرے ساتھیوں میں میرے مرحوم بھائی مجھ سے عمر میں دو برس بڑے تھے،

<sup>10</sup> آزاد، تذکرہ، ص ۲۵۔

<sup>11</sup> صابری، مولانا مدد، امام الہند مولانا آزاد، (کراچی: مکتبہ رسیدیہ، ۱۹۸۶ء)، ص ۲۸۔

<sup>12</sup> آزاد، تذکرہ، ص ۲۶۔

<sup>13</sup> رضوی، سید شفقت، ایک علمی خاندان، (کراچی: ادارہ تحقیقات افکار و تحریکات ملی پاکستان، ۱۹۹۰ء)، ص ۱۹۰۔

<sup>14</sup> مولانا امداد صابری، امام الہند مولانا آزاد، ص ۱۳۔

باقی جتنے تھے ان کی عمر میں بس ایک سو سے کم نہ ہوں گی۔ اسی زمانے میں، میں نے فتحہ اکبر، تہذیب، خلاصہ کیدانی وغیرہ بر زبان حفظ کر لی تھیں اور اپنے بروقت استحضار اور اقتباسات سے نہ صرف طالب علموں کو بلکہ مولویوں کو بھی حیران کر دیا کرتا تھا۔ وہ مجھے گیارہ بارہ برس کا لڑکا سمجھ کر بہت اڑتے تو میران و منشعب کے سوالات کرتے؛ میں انھیں منطق کے قضیوں اور اصول کی تعریفوں میں لے جا کر ہبکا کر دیتا۔<sup>15</sup>

مولانا آزاد نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک صحافی کی حیثیت سے کیا اور زندگی کے آخر میں آزاد ہندوستان کے وزیر تعلیم کی حیثیت سے ملک و قوم کی خدمت کی، ان کو کانگریس کے سب سے کم عمر صدر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے، وہ ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے<sup>16</sup>۔ گاندھی جی مولانا آزاد کے بارے میں کہتے ہیں:

مولانا علم کے شہنشاہ ہیں، اُردو زبان ان کی لوئزی ہے، وہ عربی و فارسی کے جید عالم ہیں، خطابت کے فن میں ان کا ہم پلہ نہیں، وہ ایک سائنسدان کے انداز میں بات چیت کرتے اور مباحثت کی یو قلمونی کو چند فکر و فتوں ہی میں نتیجہ پر لے آتے ہیں۔<sup>17</sup>

مولانا آزاد علامہ ابن تیمیہ، ان کے شاگرد اہن قیم اور اُس دور کے دوسرے علماء سے بہت متاثر تھے۔ ان کو شاہ ولی اللہ سے بھی عقیدت اور محبت تھی۔ اللہ نے ان کو دینی بصیرت سے نواز اٹھا۔ ان میں علمی تحقیق کا ذوق بھی تھا اور فکری اعتدال بھی۔ کلام اللہ کے اسرار اور موز پر بھی ان کی نگاہ تھی اور زبان و بیان پر بھی انھیں قدرت حاصل تھی۔

### زندگی کا مشن

دعوتِ قرآن مولانا آزاد کی زندگی کا مقصد تھا، ان کی تحریروں کے بے شمار اقتباسات اور زندگی کے بے شمار واقعات سے ان کے اس مقصدِ حیات کو واضح کیا جاسکتا ہے۔ ان کی سیاسی زندگی کا محور بھی یہی ہے۔ انھوں نے اس کام کے لیے ‘الہلال’، اور ‘البلاغ’ کو ذریعہ بنایا۔ اپنے نقطہ نظر کی تشریح کے لیے وہ ‘البلاغ’، کے شمارہ ۱۳ انومبر ۱۹۷۱ء میں لکھتے ہیں:

اگر ایک شخص مسلمانوں کی تمام موجودہ تباہ حالیوں اور بد بخیوں کی علتِ تحقیقی دریافت کرنا چاہے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگادے کہ صرف ایک ہی علتِ اصلی ایسی بیان کی جائے جو تمام علل و اسباب پر حاوی اور جامع ہو تو اس کو بتایا جاسکتا ہے کہ علمائے حق اور مرشدین صادقین کا فقدان اور علمائے سوء و مفسرین دجالین کی کثرت۔ پھر اگر وہ

<sup>15</sup> مولانا آزاد، غبار خاطر، ( لاہور: طیب پبلشر ۲۰۱۰ء)، ص ۱۴۲-۱۴۳۔

<sup>16</sup> مولانا مدد صابری، امام الہند، مولانا آزاد، ص ۲۲۸۔

<sup>17</sup> شورش کاشمیری، ابوالکلام آزاد، ( لاہور: افسوس ناشر ان و تاجران کتب، ۱۹۹۹ء)، ص ۳۶۵۔

پوچھ کے ایک ہی جملے میں اس کا علاج کیا ہے تو اس کو امام بالک کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیے کہ ”امت مر حومہ کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی، تاو فتیکہ وہ طریق اختیار نہ کیا جائے، جس سے اُس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن کریم کے اصل و حقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدين صادقین پریدا کیے جائیں۔

الہلال کے مشن کے بارے میں مولانا آزاد مزید فرماتے ہیں: ”هم بالاختصار عرض کرتے ہیں کہ الہلال کا مقصدِ اصلی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے تمام معتقدات و اعمال میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور عقلی مسائل ہوں، خواہ تمدنی اور سیاسی، وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی صد اصراف یہ ہے کہ ﴿تَعَالَوْا إِلَىٰ جَلَبَةِ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ...﴾<sup>18</sup>

اُن کی وہ تقریر جوانہوں نے ۱۹۶۷ء میں دہلی کی جامع مسجد میں کی، اس سے اُن کی زندگی کا نصب العین واضح ہوتا ہے۔ اپنی تقریر میں وہ کہتے ہیں:

عزیز و! میرے پاس تمہارے لیے کوئی نیا سخن نہیں، چودہ سو برس کا پرانا سخن ہے، وہ سخن جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا اور وہ سخن ہے قرآن کا یہ اعلان: ﴿وَلَا تَهُنُوا وَلَا تَخْزُنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾<sup>19</sup>

## ترجمان القرآن

مولانا آزاد کا سب سے عظیم کارنامہ اُن کی تفسیر ”ترجمان القرآن“ ہے۔ عموماً آن پاک کی جو تفاسیر لکھی گئی ہیں وہ مندرج ذیل تین قسم پر ہیں:

**تفسیر ماثور:** جس کی بنیاد احادیث نبوی، آثار صحابہ کرام اور تابعین کی اقوال پر ہوتی ہے۔ اس قسم کی تفاسیر میں فلسفہ کی آمیزش نہیں ہوتی، اس میں قرآن کا ترجمہ عربی ادب اور محاوروں کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا ہے۔ ایسے مفسرین نے قرآن کی بالکل فطری انداز میں تفسیر کی ہے۔

**تفسیر بالرائے:** اس قسم کی تفاسیر میں فلسفہ یونان نے جگہ پائی ہے اور غیر مسلم قوموں کے تصورات مسلمان حکماء کے دل و دماغ

<sup>18</sup> آل عمران: ۳: ۴۲

<sup>19</sup> آل عمران: ۳: ۱۳۹

<sup>20</sup> احمد حسین کمال، مولانا ابوالکلام آزاد نے پاکستان کے بارے میں کیا کہا، (لاہور: مکتبہ جمال حسن، سان)، ص ۹۹۔

میں جگہ پائے اور وہ تمام بحثیں قرآن پاک کی تفسیر کا حصہ بن گئیں جو قرآن پاک کی دعوت سے خارج تھیں۔ اس قسم کی تفاسیر میں عقلیات ہوتی ہیں، جب کہ عقلیات دلیل دیتی ہیں، عقیدہ نہیں دے سکتیں۔ ان ہی کی وجہ سے امت میں فرقہ پیدا ہو گئے۔ تفسیر اشاری یارمزی: یہ تفاسیر باقاعدہ تفاسیر تو نہیں، لیکن قرآن سے متعلق صوفیا کے مشاہدات و تعبیرات کا مجموعہ ہوتی ہیں، جب تک ہم تصوف کی اساس کو نہیں سمجھیں گے، اُس وقت تک ہم ان تفاسیر سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔ ایسے مفسرین، قرآن کے لغوی معنی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ باطنی معنی کی کھوج میں رہتے ہیں اور کلام اللہ کے صحیح معنی لغت سے زیادہ معرفت میں لیتے ہیں۔

تفاسیر کے مندرجہ بالاتینوں درجوں میں ہم کسی تفسیر کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتے کہ فلاں تفسیر بالکل غلط ہے یا یہ کہ فلاں تفسیر بالکل صحیح ہے، کیوں کہ ہر سلسلہ میں علم و نظر، فکر و دانش، معرفت و فراست اور حقائق و نکات کی جلوہ طریزیاں موجود ہیں، لیکن ماثوری سلسلہ دعوت قرآن سے اس قدر قریب ہے کہ قرآن فہمی کے دروازے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں اور ہم قرآن کی حکمت پا جاتے ہیں۔

مولانا آزاد کی تفسیر، ماثوری سلسلے ہی کی تفسیر ہے، انہوں نے تفسیر بالرائے سے بھی کام لیا ہے اور کبھی کبھی ان کی تفسیر میں بعض اطائف و اشارات اشاری تفسیر کا حصہ نہ ہے۔ انہوں نے اس کے ذریعے مسلمان نوجوانوں میں قرآن کا ذوق پیدا کیا اور ان کے لیے ایمان و یقین کے نئے نئے دروازے کھول دیئے۔ انہوں نے قرآن مسلمانوں کے سامنے رسول کی زبان و اصطلاح اور فطرت کی عقل و فلسفہ کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ قرآن میں کائنات کی حقائق پوشیدہ ہیں۔

مولانا نے ۱۹۱۵ء میں قرآن پاک کے ترجمے کا کام شروع کیا، ۱۹۱۶ء میں البلاغ میں اس کا شہر چھپا، اُس وقت سورہ آل عمر ان تک تفسیر مکمل ہو چکی تھی، ۱۹۱۶ء میں ڈپنس آرڈیننس کے تحت حکومت بنگال نے انھیں رانچی میں نظر بند کر دیا، اُس وقت وہ آٹھ پاروں کا ترجمہ اور تفسیر مکمل کر چکے تھے، لیکن حکومت نے نظر بندی کے وقت ان کے تمام مسودات ضبط کر لیے۔ وہ نویں پارے سے ترجمے کو آگے بڑھا کر ۱۹۱۸ء کے اوخر تک ترجمہ قرآن کا کام مکمل کر چکے تھے۔ حکومت کو بار بار یاد ہانی کرائی، لیکن مسودات واپس نہ ہوئے تو انہوں نے دوبارہ ابتدائی آٹھ پاروں کا ترجمہ کر کے ۱۹۱۹ء میں مکمل کر لیا۔ نصف سے زیادہ حصہ ثانی پہ بھی ہو گیا تھا کہ وہ پھر ۱۹۲۱ء میں گرفتار ہو گئے اور یہ انشا ایک بار پھر حکومتی قبضے میں چلا گیا۔<sup>21</sup> اس صورت حال سے متعلق وہ مقدمہ ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں:

یہ میرے صبر و شکر کے لیے زندگی کی سب بڑی آزمائش تھی، لیکن میں نے کوشش کی کہ اس میں بھی پورا

<sup>21</sup> مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ( لاہور: اسلامی اکادمی، ۱۹۷۲ء)، ص ۳۵۳۔

اتروں، یہ سب سے زیادہ تلخ گھونٹ تھا، جو جامِ حادث نے میرے ہوں سے لگای، لیکن میں نے بغیر کسی شکایت کے پی لیا، البتہ اس سے انکار نہیں کرتا کہ اس کی تلخی آج تک گلوگیر ہے۔<sup>22</sup>

مولانا آزاد نے اس کے باوجود بھی بڑے حوصلے کا مظاہرہ کیا اور ۷۱۹۲ء میں تفسیر قرآن کے کام کو دوبارہ شروع کیا اور ۱۹۳۰ء تک کسی حد تک اُسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ سید شفقت رضوی لکھتے ہیں:

اس (ترجمان القرآن) کی پہلی جلد ۱۹۳۱ء میں بر قی پر یہ مکملتہ میں چھپی، دوسرا جلد مدینہ پر یہ میں بجنور سے ۱۹۳۶ء میں چھپی، جو سورۃ المونون تک ہے۔ ان (مولانا آزاد) کے انتقال کے بعد ان کے کاغذات میں سورۃ نور کا تشریحی ترجمہ بھی مل گیا، جسے ترجمان القرآن کے اس ایڈیشن میں شامل کر لیا گیا، جو ۱۹۳۷ء میں سماحتیہ اکادمی دہلی نے شائع کیا ہے۔ لقیہ پاروں کا ترجمہ اور تشریع جتنی فراہم ہو سکی، انھیں مولانا غلام رسول مہر نے ”باقیت“ ترجمان القرآن، کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا، تیسرا جلد کی اشاعت کی جانب مولانا نے خود توجہ کی تھی اور اُس کی کتابت بھی شروع کر دادی تھی، لیکن اُس کے انجام کا حال معلوم نہ ہوا۔<sup>23</sup>

## ترجمان القرآن کی خصوصیات

مولانا آزاد نے اُس وقت ترجمہ قرآن کی طرف توجہ کی جب وہ ذہنی طور پر پوری طرح اس کے لیے تیار تھے۔ عربی اُن کی مادری زبان تھی اور الفاظ کی روح اور مطالب تک پہنچنا ان کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ انھوں نے اپنی اس شاہکار تفسیر میں سادگی سے کام لیا اور سہل انداز میں قرآن کریم کی تشریع کی، جس سے ہر اردو دان بآسانی استفادہ کر سکتا ہے۔ مولانا کے تفسیری اسلوب کے بارے میں ڈاکٹر عبدالحسین لکھتے ہیں:

اُن کا قلم کلام مجید کے ترجمہ اور تفسیر میں مصروف رہا، اس کا اثر اُن کے ادبی طرز پر پڑا کہ شدت احساس کا رخ خود بینی سے خدا بینی کی طرف مژگیا اور زور بیان خود نمائی کی جگہ حق نمائی میں صرف ہونے لگا، اب لکھنے والے کا خطاب پڑھنے والے کے جذبات سے نہیں، بلکہ اُس کے ضمیر سے تھا اور اس کا مقصد اپنی ذہنی اور روحانی فضیلت جتنا نہیں، بلکہ اُن کی مذہبی اور اخلاقی روح کو جگانا تھا۔<sup>24</sup>

مولانا ظفر علی خان اُن کی قرآن فہمی کے بارے میں کہتے ہیں:

<sup>22</sup> آزاد، مقدمہ ترجمان القرآن، ص ۷۔

<sup>23</sup> سید شفقت رضوی، ایک علمی خاندان، ص ۲۳۳۔

<sup>24</sup> ڈاکٹر عبدالحسین، ابوالکلام آزاد: احوال و آثار، مرتبہ: مسعوداً الحسن عثمانی، (لکھنؤ: مولانا آزاد میموریل اکیڈمی، ۷۱۹۱ء)، ص ۲۸۔

اللہ نے انھیں قرآن فہمی کے باب میں خاص ملکہ عطا کیا ہے، وہ زمانہ حاضر کی فکری تحریکوں کو بخوبی سمجھتے اور قرآن کو ہر زمانے کی پیچیدگیوں کا حل قرار دے کر انسانی معاشرے کو اس کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں، وہ قرآن کی ابدی دعوت پر نظام کائنات کی اساس رکھتے ہیں، ان پر بفضل ایزدی علم القرآن کے دروازے اس طرح کھلے ہیں کہ ان کے لیے کوئی سی راہ مسدود و منقطع نہیں، ان کی آواز قرآن کی آواز ہے، ان کے ترجمہ و تفسیر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قرآن ہی کی زبان میں خطاب کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے الفاظ الوهیت اور نبوت کا جامہ پہنے ہوئے ہیں، دوسرے تراجم جو ہندوستان میں ہوئے ہیں، وہ قرآنی الفاظ کے لغوی و تحفظی ترجمے ہیں، ان میں قرآن کے شکوہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، عربی الفاظ کا ترجمہ اردو الفاظ میں کیا گیا ہے، مطالب کی طاقت و پہنچ اور جھل ہو گئی ہے، آزاد کی تفسیر مخصوص مقامی یا مخصوص اسلامی نہیں، بین الاقوامی و بین المللی ہے، وہ ایسا ترجمہ ہے جس کا مطلب کو خطاب کرتے ہیں۔<sup>25</sup>

مولانا آزاد تفسیر قرآن کریم کے کام کے لیے اپنی زندگی کے شب و روز کو وقف کیے ہوئے تھے، چنانچہ مولانا خود لکھتے ہیں:

کامل ۷۲ برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے، اس کی ایک ایک سورۃ، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے کیے ہیں، تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوع و غیر مطبوع ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں، جس کی طرف سے ذہن نے تغافل اور جتنوں نے تسلیم کیا ہو۔<sup>26</sup>

مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں اسرائیلیات، منطق اور فلسفہ سے احتراز کیا ہے اور اس بات کی روایت کی ہے کہ قرآن جس بات کو جس طرح، جس مقام پر کہتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی جائے، غالباً یہی چیز مولانا کو دیگر مفسرین سے ممتاز کرتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

یہ آفت صرف طریق استدلال ہی میں پیش نہیں آئی، بلکہ تمام گوشوں میں پھیلی، منطق و فلسفہ کے مباحث نے طرح طرح کی نئی مصطلحات پیدا کر دی تھیں۔ عربی لغت کے الفاظ ان مصطلحے معنی میں مستعمل ہونے لگے تھے۔ یہ ظاہر ہے قرآن کا موضوع فلسفہ یونانی نہیں ہے، اور نہ نزول قرآن کے وقت عربی زبان ان مصطلحات سے آشنا تھی، پس جہاں کہیں قرآن وہ الفاظ آئے ہیں، ان کے معنی یہ نہیں ہو سکتے جو وضع مصطلحات کے بعد قرار پائے،

<sup>25</sup> شورش کاشمیری، ابوالکلام آزاد، ص ۳۸۵۔

<sup>26</sup> آزاد، مقدمہ ترجمان القرآن، ص ۱۹۔

لیکن اب ان کے وہی مفہوم لیے جانے لگے اور اس کی بنابر طرح طرح کی دو راز کار بخشیں پیدا کر دی گئیں۔<sup>27</sup> مولانا کی تفسیر میں ادبیت اور دل کو چھو لینے والا اندازِ خطاب اپنے عروج پر ہے۔ ان کا انداز قاری کے دل کو موهہ لیتا ہے اور اُس کے ذہن و قلب پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ مولانا عربی زبان اور اُس کے اسالیب بیان، صحابہ کرام کے اقوال اور معتقدین مفسرین کی تشریحات و توضیحات کی روشنی میں کامل غور و خوض کے بعد قرآن کی آیت کا مطلب متعین کر لیتے ہیں اور کمال قوت و بلاغت کے ساتھ اُس کو بیان کرتے ہیں۔

مولانا آزاد نے دین کی اصل حقیقت، اُس کا ارتقا، شریعت و منہاج کا فرق، دین و شریعت کا باہمی تعلق، دوسرا مذاہب اور اُن کے بانیان اور اُن کی آسمانی کتابوں کے متعلق قرآن کا نقطہ نظر، اس سلسلے میں پیغمبر اسلام کی تعلیمات پر زبردست دادِ تحقیق دی ہے۔ انھوں نے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کسی فرقے کی کتاب نہیں، یہ فرقوں کو توڑتا ہے۔ قرآن ایمان اور عمل صالح کی جو دعوت دیتا ہے وہ ہر مذہب کی بندیا ہے۔

مولانا آزاد نے 'تفسیر بالرائے' سے بھی جامیکا ملیا ہے اور 'تفسیر بالرائے' کا حقیقی مطلب واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تفسیر بالرائے کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئی ہیں۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب میں عقل و بصیرت سے کامنہ لیا جائے، کیوں کہ اگر یہ مطلب ہو تو پھر قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے، حالانکہ خود قرآن کا یہ حال ہے کہ اُول سے لے کر آخر تک تعلق و تفکر کی دعوت ہے اور ہر جگہ مطالبه کرتا ہے: أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَفْفَالُهَا؟<sup>28</sup> دراصل تفسیر بالرائے میں 'رائے'، لغوی معنی میں نہیں، بلکہ 'رائے'، مصطلح شارع ہے، اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے، جو اس لیے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے، بلکہ اس لیے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے اور کس طرح قرآن کو کھیختاں کر اُس کے مطابق کر دیا جاسکتا ہے۔<sup>29</sup>

مولانا آزاد اس کے بھی خلاف تھے کہ قرآن میں وقت کی تحقیقات علمیہ کو تلاش کر کے قرآن کو ان پر منطبق کر دیا جائے، کیوں کہ سائنسی نظریات بدلتے رہتے ہیں، آج ایک نظریہ درست ہوتا ہے، کل وہ غلط ثابت ہو جاتا ہے، اس لیے ان کو قرآن سے ثابت کرنا درست نہیں ہے۔ اس بارے میں وہ فرماتے ہیں:

<sup>27</sup> ایضاً، ص ۱۳۲۔

<sup>28</sup> محمد، ۲۳:۲۷

<sup>29</sup> آزاد، مقدمہ ترجمان القرآن، ص ۱۵۔

اسی تحریم کے یہ بھی برگ وبار بیں کہ سمجھا گیا کہ قرآن کو وقت کی تحقیقات علمیہ کا ساتھ دینا چاہیے، چنانچہ کوشش کی گئی کہ نظام بطیموسی اس پر چپکا دیا جائے، ٹھیک اسی طرح جس طرح آج کل کے دانش فروشوں کا طریقہ تفسیر یہ ہے کہ موجودہ علم بیان کے مسائل قرآن پاک پر چپکا دیے جائیں۔<sup>30</sup>

مولانا آزاد نے تفکر و تعقل کو کام میں لاتے ہوئے کلام مجید کے اہم مقامات کو اس کے سہارے طے کیا ہے۔ وہ قرآن کو قرآن سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

زمانے کی بذوقی نے بھی ہر کچھ اندیشی کو سہارا دیا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرونِ آخریہ میں درس و تداول کے لیے وہی تفسیریں مقبول ہوئیں جو قدماء کے محاسن سے یک قلم خالی تھیں۔ وقت کا یہ سوئے انتخاب ہر علم و فن میں جاری رہا ہے، جو زمانہ جرجانی پر سُکا کی کو، اور سُکا کی پر تفتازانی کو ترجیح دیتا تھا، یقیناً اس کے دربار سے بیضاوی و جلالیں ہی کو حسن قبول کی سند مل سکتی تھی، تداول تفسیریں اٹھا کر دیکھو، جس مقام کی تفسیر میں متعدد اقوال موجود ہوں گے، وہاں اکثر اسی قول کو ترجیح دیں گے، جو سب سے زیادہ کمزور اور بے محل ہو گا، جو اقوال نقل کریں گے، ان میں بہتر قول موجود ہو گا، لیکن اسے نظر انداز کر دیں گے۔<sup>31</sup>

ترجمان القرآن کی زبان کسی علاقے یا خطے کی زبان نہیں، بلکہ آزاد نے مسلمانوں کے ذہنی حرکات کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن ہی کی زبان استعمال کی ہے، جس سے ہر سطح کا قاری محسوس کر سکتا ہے کہ وہ اردو میں قراءت کر رہا ہے۔ مولانا آزاد کا طرز تحریر ایسا پر کشش ہے کہ غیر مسلموں کو بھی ترجمان القرآن کے مطالعے پر مجبور کرتے ہیں، ان کی تفسیر و ترجمہ کی ہمہ گیری نے ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں میں اس کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا اور وہ اسلام سے آشنا ہو گئے، انہوں نے ترجمہ، محض مسلمانوں کی غرض سے نہیں کیا، بلکہ ان کے پیش نظر دیگر مذاہب کے لوگ بھی تھے، وہ ان کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ قرآن کا مخاطب ہر انسان ہے، صرف مسلمان نہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ مولانا روح تفسیر کے محرم ہیں اور کلام الٰہی کے مطالب کو اس حکیمانہ انداز میں سمجھاتے ہیں کہ جس سے نئے زمانے کے تنقیدی ذہن کو بھی تسلیم ہو جاتی ہے<sup>32</sup>۔

ترجمان القرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں پوری احتیاط کے ساتھ ایک ایسا طریقہ بیان اختیار کیا گیا ہے کہ الفاظ کم سے کم اور مطالب زیادہ سے زیادہ سمتے ہوئے ہیں۔

<sup>30</sup> ایضاً، ص ۱۳۔

<sup>31</sup> ایضاً، ص ۱۵۔

<sup>32</sup> شورش کاشمی، ابوالکلام آزاد، ص ۱۳۔

## فترآن: ایک مکمل ضابطہ حیات

مولانا آزاد انسانی زندگی کے ہر گوشے کو مذہب کی نظر سے دیکھتے تھے اور مسلمانوں کے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل کا حل قرآن میں تلاش کرتے تھے، مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا سیاسی زندگی، معاشرتی زندگی یا معاشی، اُس کے لیے قرآن میں مکمل ضابطہ حیات موجود ہے، ان کے خیال میں ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا کسی اور تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو، ایک صریح کفر ہے<sup>33</sup> اور جو لوگ اپنے مسائل کا حل قرآن کے سوا کہیں اور تلاش کرنا چاہتے ہیں، مولانا کے نزدیک وہ شرک فی صفات القرآن کے مجرم ہیں اور اس لیے مشرک ہیں۔<sup>34</sup> ان کے نزدیک مسلمانوں کے تمام امراضِ فکر و عمل اور اجتماعی و ملی مسائل کا حل قرآن کریم اور اسوہ نبی میں موجود ہے، مولانا لکھتے ہیں:

ہم تو دنیا کی ہر شے مذہب میں ڈھونڈتے ہیں اور پھر اس کے بعد نہیں جانتے کہ دنیا میں اور کیا کہا جاتا ہے؟ ہمارے ہاتھ میں قرآن کریم ایک إِعْمَامٌ مُّبِینٌ، تَبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ، بَيَانُ لِلّهَّا يُسَمِّيُّ، نُورٌ وَّ كَلِمَاتٌ مُّبِینٌ اور انسان کے ہر اختلاف و نزاع کے لیے ایک حاکم ناطق ہے اور پھر اس کا عملی نمونہ اور وجود ظلی اس کے حاملین کی زندگی کے اعمال ہیں کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ<sup>35</sup>۔ لیکن افسوس کہ مذہب کے دکانداروں نے جہل و تقلید اور تعصیب و ہوا پرستی کا نام مذہب رکھا ہے، اور روشن خیالی و تحقیق جدید کے عقل فروشوں نے الخادوبے قیدی کو حکمت و اجتہاد کے لباس فریب سے سنوارا ہے۔ نہ مدرسہ میں علم ہے، نہ محراب مسجد میں اخلاص۔<sup>36</sup>

مولانا آزاد کی خواہش تھی کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو قرآن کریم کی دعوت و تبلیغ کی خدمت اور اصلاح و ارشاد امت کافر ریفے انجام دے سکے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے 'دارالارشاد' کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔<sup>37</sup>

## شخصیت پر سنتی کی محاذ

ہمارے معاشرے میں شخصیت پر سنتی نے بڑی تباہی پھیلائی ہے، شخصیت پر سنتی کے باعث روز روز جگہ اور فسادات

<sup>33</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۳، ص ۲۰۔

<sup>34</sup> ایضاً، ص ۲۱۔

<sup>35</sup> الاحزاب ۲۱:۳۳

<sup>36</sup> الامر بالمعروف و نهي عن المكروه، البلاط، ۱۱۔ اگست، ۱۹۱۲ء، ص ۵، ۶۔

<sup>37</sup> آزاد، تذکرہ، ص ۳۰۔

<sup>38</sup> آزاد، دارالارشاد، البلاط، ۱۲۔ نومبر، ۱۹۱۵ء، ص ۱۶۔

ہوتے ہیں، مولانا آزاد اس جدید بت پرسی کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور سورہ آل عمران کی آیت: وَمَا حُكِّمَ إِلَّا رَسُولُنَا<sup>39</sup> کے تحت لکھتے ہیں:

بنائے کاراؤصول اور عقائد ہیں نہ کہ شخصیت اور افراد۔ کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، لیکن اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کسی اصل اور سچائی کی راہ دکھانے والی ہے، پس اگر کسی وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ رہے یا درمیان سے ہٹ جائے تو ہم سچائی کی راہ سے کیوں منہ موڑ لیں یا ادائے فرض میں کیوں کوتاہی کریں؟ سچائی کی وجہ سے شخصیت قبول کی جاتی ہے، یہ بات نہیں کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی، سچائی ہو گئی ہو۔<sup>40</sup>

## وحدت دین

مولانا آزاد نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح جامجاتپنی تفسیر میں وحدت دین پر گفتگو کی ہے، سورہ فاتحہ میں إلهٔنَا کی تفسیر میں انہوں نے اس مسئلے پر اہم بحث کی ہے، تاہم وحدت دین کی یہ بحث آسمانی مذاہب اور انیما کی شریعتوں کے بارے میں ہے، نہ کہ مشرکانہ و ملحدانہ مذاہب کے تناظر میں۔ انہوں نے 'وحدة دین' پر گفتگو کی ہے، لیکن لوگوں نے اسے 'وحدة ادیان' سمجھ کر مولانا کی مخالفت کی، حالانکہ امام ولی اللہ دہلوی بھی اسی وحدت دین کے قائل تھے، چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

اصل دین ایک ہے، جس پر تمام انیما کااتفاق ہے، اختلاف تو شرائع اور منہاج میں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبادات اور استعانت کے معاملے میں اللہ کی توحید پر اور جو چیزیں اُس کی شایان شان نہیں ہیں، ان سے پاکی اور اُس کے ساتھ شرک کرنے کی حرمت پر تمام انیما کے کرام کا جماعت ہے۔<sup>41</sup>

مولانا آزاد نے اس پر بحث کرتے ہوئے دین اور شرع کی تعریج کی ہے اور فرمایا ہے کہ "دنیا میں جتنے مذاہب ہیں، ان میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ دو قسم پر ہیں: ایک پیر و ان مذاہب کا پیدا کردہ اختلاف ہے اور دوسرا اختلاف فی الحقيقة مذاہب کے احکام و اعمال میں پایا جاتا ہے۔ یہ فروع کا اختلاف ہے، اصل کا نہیں۔" مزید فرماتے ہیں: "مذاہب کی تعلیم و دو قسم کی باتوں سے مرکب ہے: ایک قسم تو وہ ہے جو ان کی روح اور حقیقت ہے، دوسری وہ ہے جن سے ان کی ظاہری شکل و صورت آرستہ کی گئی ہے۔ پہلی چیز اصل ہے اور دوسری فرع۔ پہلی چیز کو 'دین' سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری کو 'شرع'، 'نک' سے، اور اس کے لیے '.

<sup>39</sup> آل عمران ۱۳۳:۳

<sup>40</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۳۳۱-۳۳۲۔

<sup>41</sup> شاہ ولی اللہ، جیہۃ اللہ البالغہ، (دمشق، ۱۲۵۲ھ)، ص ۸۶۔

منہاج کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ شرع اور منہاج کے معنی راہ کے ہیں اور نسک سے مقصود عبادت کا طور طریقہ ہے۔<sup>42</sup> وہ مزید فرماتے ہیں: ”پیر و ان مذہب نے دین کی وحدت بھلادی اور شرع کے اختلاف کو بنائے نزاع بنادیا۔ دین کا مقصود خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ ہے، وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہیں، کوئی انسان ہو، کسی قوم اور نسل سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر خدا پر سچا ایمان رکھتا ہو اور اُس کے اعمال بھی نیک ہیں تو وہ دین الٰہی پر چلنے والا ہے اور اُس کے لیے نجات ہے۔“<sup>43</sup>

### عبادت گاہوں کا تقدیر س اور مولانا آزاد

مولانا واحد امت کے داعی تھے، وہ مذہبی گروہ بندیوں کے سخت مخالف تھے، وہ تمام مذہب کی عبادت گاہوں کو مقدس سمجھتے تھے، وہ عالمی انسان تھے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت: وَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ مَنْعَ مَسْجِدَ اللَّهِ۔<sup>44</sup> سے استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”مذہبی گروہ بندی کی مگر، ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت گاہیں تک الگ الگ ہو گئی ہیں اور باوجود یہ کہ تمام پیر و ان مذہب ایک ہی خدا کے نام لیواہیں، لیکن ممکن نہیں ایک مذہب کا پیر و کار دوسرا مذہب کی بنائی ہوئی عبادت گاہ میں جا کر خدا کا نام لے سکے، اتنا ہی نہیں بلکہ ہر گروہ اپنی عبادت گاہ کو خدا کی سمجھتا ہے، دوسرے مذہب کی عبادت گاہ اُس کی نظر و میں کوئی احترام نہیں رکھتی۔“<sup>45</sup>

### ذوالقدر نین کی تحقیق

ذوالقدر نین کا ذکر سورہ کہف میں آیا ہے، قرآن کریم میں ہے کہ وہ ایک بادشاہ تھا اور اُس نے مشرق و مغرب میں بڑی فتوحات حاصل کی تھیں، مفسرین نے اُن کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں، مولانا آزاد نے ان ذوالقدر نین کی تحقیق کی ہے اور لکھا ہے کہ ذوالقدر نین ایران قدیم کا وہ بادشاہ ہے جس کو یونانی مورخین سائز، یہودی مورخین خورس اور عرب مورخین کی حیثیت کہتے ہیں۔ وہ ایکی می نیز خاندان کافر دخا اور پہلے ایک مختصر سی ریاست انشان کا رئیس تھا، وہ اپنی خداتری، عقل و تدبیر کی وجہ سے عوام اور خواص میں بے حد مقبول تھا۔ اس نے پہلے سے قائم فارس اور میڈیا و ایرانی حکومتوں کو ایک ایک کر کے اپنے تابع کر لیا تھا۔ اس کا زمانہ ۵۶۰ قبل مسیح سے ۵۲۹ قبل مسیح تک تھا اور اس کی فتوحات قرآن کریم کے بیان کے عین مطابق تھیں۔<sup>46</sup>

<sup>42</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۱۸۶-۱۸۷۔

<sup>43</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۱۹۳۔

<sup>44</sup> البقرہ: ۱۱۳۔

<sup>45</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۱۹۵۔

<sup>46</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۳۹۹۔

## الرقم کی تحقیق

سورہ کہف میں اصحابِ کہف کا ذکر ہے اور قرآن نے ان کو اصحابِ الکہف والرقم کہا ہے۔ عام مفسرین نے ”الرقم“ کے معنی ’کتبہ‘ کے لیے ہیں، لیکن مولانا آزاد نے اس کی جو تحقیق کی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ جزیرہ نماۓ سینا اور خلیج عقبہ سے سیدھے شمال کی طرف بڑھیں تو دو پہاڑی سلسلے متوازی شروع ہو جاتے ہیں اور سطح زمین بلندی کی طرف اٹھنے لگتی ہے اور اس کی ایک پہاڑی سطح پر ”رقم“ نامی شہر آباد تھا۔ دوسری صدی عیسوی میں جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کر لیا تو یہاں کے دوسرے شہروں کی طرح ”رقم“ نے بھی رومی نوازدی کی حیثیت اختیار کر لی اور یہی وہ زمانہ ہے جب ”پیغمبر“ کے نام سے اس کے عظیم الشان مندوں کی شهرت دور دور تک پہنچی۔ مسلمانوں نے جب ۲۳۰ عیسوی میں یہ علاقہ فتح کیا تو ”رقم“ نام بہت کم زبانوں پر رہا تھا۔ یہ رومیوں کا ”پیغمبر“ اور عربیوں کا ”بطریخ“ تھا۔ قرآن میں ہے کہ اصحابِ کہف میں سے ایک شخص کھانا لانے شہر گیا تو تین سونو برس قبل کا آدمی دیکھ کر لوگ حیران ہو گئے اور اُس کا پیچھا کیا تو وہ شخص بھاگ کر دوبارہ غار میں گھس گیا، لوگوں کو تو غار میں گھنسنے کی بہت نہ ہوئی، لیکن وہ غار انہوں نے دیکھ لیا اور یاد گار کے طور پر کچھ لوگوں نے یہاں مسجد اور کسی نے مقبرہ بنانے کی تجویز پیش کی۔<sup>47</sup>

## سورہ فاتحہ کی تشریع

مولانا آزاد نے سورہ فاتحہ کی تشریع و توضیح پر مستقل باب لکھا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں پورے قرآن اور دین کا خلاصہ موجود ہے، اس میں مولانا نے تمام راہوں سے ہٹ کر ان تمام بخشوں پر قلم اٹھایا ہے جو فلسفہ و سائنس کے اس ماضی بیزار دوڑ میں انسان کو درپیش ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ دین حق کا حصل ان چار باتوں پر موقوف ہے:

اول: خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور، دوم: قانون مجازات کا اعتقاد، سوم: معاد کا یقین، چہارم: فلاح و سعادت کی راہ اور اُس کی پیچان۔

سورہ فاتحہ کی تفسیر اُن لوگوں کی اضطراب و جستجو کا جواب ہے جو اپنے رب کی تلاش میں عقل و فکر کے صحر اُوں اور بیابانوں میں گھومنے پھرتے اور اُس کی حقیقت جاننے میں کبھی سفر و منزل سے دور ہو جاتے اور کبھی ضلالت و گمراہی میں کھو جاتے ہیں۔ انہوں نے سورہ فاتحہ میں رب العالمین، کی بڑی تفصیلی تفسیر کی ہے اور ربوبیت کا انہوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ربوبیت کے لیے ضروری ہے کہ پروردش اور غمہداشت کا ایک جاری اور مسلسل اہتمام ہو اور ایک وجود کو اس کی تکمیل کے لیے جس طرح کی ضرورتیں و تناقضات پیش آئیں، ان سب کا سروسامان ہوتا ہے، نیز ضروری ہے کہ یہ سب کچھ محبت و شفقت کے ساتھ ہو۔ نظام ربوبیت کے ذیل میں انہوں نے پانی کی بخشش و تقسیم کا نظام، تقدیر اشیاء، عناصر حیات، نظام پروردش وغیرہ سے بحث کی ہے، اسی

طرحِ ربوبیت معنوی میں تقدیر، ہدایت، ہدایت و جدال، ہدایتِ حواس سے بحث کی ہے۔<sup>48</sup>

### نظامِ زکوٰۃ

سورہ توبہ میں مذکور مصارفِ زکوٰۃ سے متعلق مولانا آزاد نے افرادِ امت کی توجہات کو اجتماعی نظامِ زکوٰۃ کے قیام پر مرکوز کرایا ہے۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں:

قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ ایک خاص نظام سے والبستہ کیا ہے اور اس نظام کے قیام پر اُس کے تمام مقاصد و مصالح کا حصولِ موقوف ہے۔ مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ کی اینیں زکوٰۃ یا بیت المال کے حوالے کرنے کی بجائے خود ہی خرچ کر ڈالتی ہے، وہ دیدہ و دانستہ حکمِ شریعت سے انحراف کرتی ہے اور یقیناً وہ اس کے لیے جوابدہ ہوگی۔<sup>49</sup>

انھوں نے فتحہ سے بھی اس معاملے میں اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کا نظم، انفرادی نہیں اجتماعی ہے، یہ ایک ٹیکس ہے جو حکومت کو ادا کرنا چاہیے، نہ یہ کہ خود نکالنا اور خرچ کرنا۔ انھوں نے زکوٰۃ کو معاشرے کے بدھالوں اور فاقہ کشوں کی اعانت و امداد کا امتیازی طریقہ کا برتایا ہے۔ مولانا کا اجتماعی نظامِ زکوٰۃ کا نظریہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں، صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکامِ قرآنی کے مطابق درست کر لیں، تو بغیر کسی تاثل کے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مسائل کا حل خود بخوبی پیدا ہو جائے گا۔<sup>50</sup>

### فترآن اور سو شلزم

سورہ توبہ کی تشریح میں قرآن اور سو شلزم کے متعلق مولانا آزاد فرماتے ہیں:

معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی اور یہ عدم یکسانیت بعض حاتموں میں قدرتی ہے، کیوں کہ سب کی جسمانی و ذہنی استعداد یکساں نہیں اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جد و جہدِ معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں۔ بالفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے وہ اُس کا ہے، البتہ ریاست پر فرض ہے کہ وہ دولت اور وسائلی دولت کا اختناکاروکے اور ہر فرد کی ضروریاتِ زندگی اُس کے فرائض کا حصہ ہو۔ مارکسی نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ انفرادی ملکیت ختم کر دی جائے اور ایسا نظام لا یا جائے جو ہر لحاظ سے عدم طبقائی ہو کہ اقتصادی و معاشی مساوات کی حالت پیدا ہو جائے اور وسائلی دولت تمام تر

<sup>48</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۳۵-۳۶۔

<sup>49</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۱۳۲۔

<sup>50</sup> اینا

قومی دولت ہو جائیں، انفرادی قضیہ باقی نہ رہے۔

مولانا کے نزدیک پہلی بات فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے، اس سے معاشرہ میں توازن و اعتدال رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا کا اس وقت تک کا تجربہ قومی ملکیت کے اشتراکی تجربہ کی تائید نہیں کرتا، بلکہ اُس کے خلاف ہے، اور نہ روس ہی اپنے دعوے کی اب تک تکمیل کر سکا ہے، لیکن سو شلزم کو اس مطالبے کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے، کیوں کہ جو لوگ سو شلزم کے جدیاتی فلسفہ کے سحر میں مبتلا ہیں، ان کے لیے تجربہ ہی بہترین استاد ہو سکتا ہے۔<sup>51</sup>

### نظامِ تعلیم

سورۃ توبہ کی آیت الْأَعْزَابِ آشَدُ كُفْرًا وَنِفَاقًا<sup>52</sup> کے حوالے سے مولانا آزاد نظام تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ بدوجی قبائل کی احکام دین سے متعلق بے خبری اس لیے زیادہ متوقع تھی کیوں کہ وہ تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ تعلیم کا ایک عام نظم قائم کرنا چاہیے، یہ ممکن نہیں کہ تمام مسلمان گھر چھوڑ کر تحصیل علم کے لیے نکل کھڑے ہوں، لیکن ایسا نظام بنایا جائے کہ ہر بستی اور ہر گروہ میں سے کچھ لوگ اس کام کے لیے وقف ہو جائیں، وہ تعلیم و تربیت کے مرکز میں رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں اور پھر اپنی آبادیوں میں جا کر دوسروں کو تعلیم دیں۔<sup>53</sup>

### مذہبی مناظرے کبھی طلبِ حق کا وسیلہ نہیں ہو سکتے

سورۃ نحل کی آیت ۱۲۵ اذْعُ إِلی سَبِيلِ رَبِّكَ يَا الْجَمِيعَ وَالْمَوْعِظَةُ الْخَيْرَةُ کے ذیل میں مولانا لکھتے ہیں کہ ایسا اسلوب، ایسا طریق خطاب، ایسا لب و لہجہ اور اس طرح کے الفاظ اختیار نہ کیے جائے جو مخالف کے دل کو تکلیف پہنچانے والے ہوں، اگر بحث سے منقصود عوتِ حق ہے تو مخاطب کے دل کو نرمی و محبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ بدستمی سے دنیا میں طلبِ حق کی راہ بھی محض جدل و نزاع کی راہ بن گئی ہے، ہم صرف اپنی جیت کے لیے لڑتے ہیں، حق و انصاف کے لیے نہیں لڑتے۔ قرآن نے اسے جدل کا طریق قرار دیا ہے، دعوت کا طریق یہ نہیں۔ اگر جدل کرنا ہی پڑے تو حسن طریقہ پر ہو، سختی کا جواب سختی سے نہیں دینا چاہیے، کیوں کہ دین کی راہ دعوت کی راہ ہے، جدل کی نہیں۔<sup>54</sup>

<sup>51</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۱۳۶-۱۳۷۔

<sup>52</sup> التوبۃ: ۹۷:

<sup>53</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۱۱۸-۱۱۹۔

<sup>54</sup> آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۳۲۳۔

### تقلید اور مولانا آزاد

سورۃ البر ۲۱ کے ذیل میں وہ لکھتے ہیں کہ تباہی و گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ اپنے سرداروں، امیروں، بادشاہوں وغیرہ کی اندر ہمی تقلید ہے اور اپنی عقل و بصیرت سے کام نہ لینا ہے۔

### خلاصہ ابحث

ضرورت ہے کہ ترجمان القرآن کا ہر ہر گھر میں مطالعہ کیا جائے، مولانا کی تمام علمی و ادبی تحریروں میں اس کو اعلیٰ مقام حاصل ہے، اس میں کسی مخصوص فکر کی ترجمانی نہیں، بلکہ ہر طرح کے اقوال مذاہد سے انہوں نے احتراز کیا ہے۔ اس تفسیر کی زبان سلیس اور دلکش ہے، اس کا اندازِ تفہیم عوامی ہے۔ حالات حاضرہ پر احکام کی تطیق، اجتہاد و تحقیق اور قرآن کو عوام کی روح تک لے جانے کی بہترین کوشش کی گئی ہے۔ مولانا آزاد نے اپنی اس شاہکار تفسیر کے ذریعے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا منیریضہ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے، آمین۔

